بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين،

أَمَّا بَعْدُ:

15-شرح العقیدۃ الواسطیۃ

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ۔

اور پچھلے چند دروس میں ہم اس عظیم عقیدے کے ابتدائی جملے کے تعلق سے کچھ باتیں کر رہے تھے اور جو سب سے پہلا اصول ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے باب میں اس کے تعلق سے چند باتیں کی ہیں اور اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وہ پیارا نام اور ہر وہ صفت کمال جو قرآن اور صحیح حدیث میں بیان ہوئی ہے اُن سب پر ہمارا ایمان ہے لیکن اِن چار شرطوں کے ساتھ (۱)"من غير تعطيل" (بغیر تعطیل کے بغیر انکار کے)۔(۲)"من غير تحريف"(تحریف نہیں ہو گی)۔(۳)"من غير تكييف"۔(۴)اور"من غير تمثيل"(بغیر مثلیت بیان کرنے کے)۔

اور ان چار شرطوں کے تعلق سے ہم پچھلے چند درسوں میں یہ بات کر رہے تھے بڑی تفصیل سے جو شیخ العلامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ان چار شرطوں کے تعلق سے جو اہم دلائل ہیں اور جو چند غلط فہمیاں ہیں ان کے تعلق سے باتیں کی ہیں آج کی نشست میں جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں"ولا تمثيل"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں"ولا تمثيل" يعنى: ومن غير تمثيل"۔

یہ شرط بیان کی جاتی ہے یہ لفظ ہے اس لفظ کے تعلق سے اور اس کی شرح میں فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں"ولا تمثيل" سے مراد ہے"ومن غير تمثيل"، یعنی اہل سنت والجماعت برأت کا اظہار کرتے ہیں اللہ

تعالیٰ کو مخلوق سے تمثیل اور مثلیت بیان کرنے سے، اہل سنت بَری ہیں اس سے۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور نہ ہی صفات میں یہ تمثیل ممکن ہے اور تمثیل سے مراد یہ ہے (تمثیل کا معنی کیا ہے) کہ کسی چیز کی دوسری چیز سے مماثلت کا ذکر کرنا۔ اس میں دو چیزوں کا ہونا لازمی ہے جس میں آپ نے مماثلت کرنی ہے اور تکییف کے لفظ اور تمثیل کے لفظ میں خصوص اور عموم ہے کیونکہ ہر ممثل جو ہے وہ مکیف ہے یعنی ہر تمثیل کرنے والا تکییف کرنے والا ہوتا ہے لیکن ہر تکییف کرنے والا تمثیل کرنے والا نہیں ہوتا کیونکہ تکییف سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی کیفیت کا ذکر کرنا جس کا تمثیل سے کوئی تعلق نہیں ہے مثال کے طور میں کہتا ہوں یہ پین ہے جس کا یہ رنگ ہے اور یہ شکل ہے، یہ موبائل ہے اس کا یہ رنگ ہے اس کی یہ شکل ہے اس کی یہ اسکرین ہے۔ یہ چند اوصاف بیان کرنا تو اس کی ہیئت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے (کیفیت) یہ تکییف ہے لیکن تمثیل میں کیا ہوتا ہے کہ دو چیزیں کر دیں "یہ پین اس پین جیسا ہے، یہ کتاب اس کتاب جیسی ہے، یہ موبائل اس موبائل جیسا ہے" تو اسے کہتے ہیں تمثیل (مثلیت بیان کرنا)۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں اُن سب کو ثابت کرتے ہیں بغیر مثلیت بیان کرنے کے "بدون مماثلة"۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زندگی ہے حیات ہے ہماری زندگی جیسی نہیں، "وليست مثل حياتنا"، اللہ تعالیٰ کا علم ہے ہمارے علم جیسا نہیں، اللہ تعالیٰ کی بصر ہے ہماری بصر جیسی نہیں، اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے ہمارے چہرے جیسا نہیں، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے ہمارے ہاتھ جیسا نہیں، اور اسی طریقے سے تمام صفات جو ہیں اللہ تعالیٰ کی۔ کہتے ہیں اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی کوئی مماثلت نہیں ہے مخلوق کے ساتھ، کسی صورت میں بھی یہ ممکن نہیں ہے اور اس کے دلائل ہیں۔

اب مثلیت کی نفی کی ہے دلائل کیا ہیں؟ شیخ صاحب فرماتے ہیں سمعی دلائل اور عقلی دلائل "الأدلة السمعية اور أدلة عقلية"۔ سمعی سے مراد کیا ہے؟ نصوص (قرآن اور سنت)، اور عقلی سے مراد جو عقلی دلائل ہیں۔

اور جو سمعی دلائل ہیں ان کی دو قسمیں ہیں (۱) خبر۔ (۲) اور طلب۔ یعنی خبر کے انداز میں بھی یہ دلیل موجود ہے قرآن اور سنت میں اور طلب کے انداز میں بھی۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟ خبر کی تصدیق کی جاتی ہے اور طلب سے مراد اَمر اور نہی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم بھی دیا ہے اور منع بھی کیا ہے)۔

تو آیئے دیکھتے ہیں کہ کس طریقے سے یہ دلائل موجود ہیں۔

خبر کے جو دلائل ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ إلى آخر الآية (الشوریٰ:11)۔ تو یہ جملہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾، پہلا جملہ ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس میں مثلیت کی نفی ہو رہی ہے۔

میں نے ایک درس میں بیان کیا تھا تدبر القرآن کے دروس میں کہ اس مثلیت کی نفی یعنی کیسے خوبصورت انداز بیان میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے مثلیت کی نفی کی انتہا کر دی ہے (یعنی ناممکن ہے کہ مثلیت کسی صورت میں بھی ہو سکے)۔ جیسے میں نے بتایا کہ اس کے تین درجات ہیں یا تین طریقے ہیں:

1-ایک تو بغیر کسی حرف یا بغیر کسی لفظ کے۔ فلان شیر ہے، یا فلان لڑکی جو ہے وہ چاند کا ٹکڑا ہے یا چاند ہے۔ یہ ہماری تشبیہ کون سی ہے؟ تشبیہ بلیغ کہتے ہیں اسے۔

2-دوسرا ہے شیر جیسا ہے اس میں "فلان كالأسد"۔

3-اور تیسرا ہے جو اس سے بھی دور ہے تشبیہ "فلان كمثل الأسد" یعنی شیر کے جیسے کے جیسا۔

تینوں میں فرق کیا ہے؟

پہلے میں ہر اعتبار سے شیر جیسا ہے (بہادری میں، طاقت میں اور اس کی گرج میں بولنے کے طریقے سے، اس کی چال چلن میں، اس کی دہشت میں) تمام چیزوں میں أسد ہو گیا پورا۔ "كالأسد" بعض صفات ہیں بعض نہیں ہیں۔ بہادری میں ہو گا لیکن دہشت نہیں ہو گی (بہادر ہو گا) کسی اور چیز میں کوئی کمی ہو گی لیکن مکمل شیر جیسا نہیں ہے۔ تیسرا "كمثل الأسد" جو ہے اور دور تشبیہ ہے یعنی بس یہ کہا جاتا ہے وہ شیر جیسا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کس کی نفی کی ہے پہلے کی دوسرے کی یا تیسرے کی؟ یعنی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور آپ غور کریں ایک واجب بھی لے لیں آپ کہ جہاں پر "كمثل" ایک ساتھ کئی جگہ پر قرآن مجید میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے منافقین کے تعلق سے اور بھی کئی جگہ پر آپ انداز بیان کی خوبصورتی دیکھیں کہ کس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ تشبیہ جو ہے کس طریقے سے بیان فرمایا ہے واللہ آپ حیران ہو جائیں گے!

توسب سے پہلے خبر میں جو سب سے اہم دلیل ہے مثلیت کی نفی کی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ پہلی دلیل ہے اور اس آیت میں نفی صریح ہے تمثیل کی (مثلیت بیان کرنے کی نفی صریح ہے)۔

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ (مریم:65)۔ اگرچہ یہ جملہ جو ہے استفہام یعنی سوالیہ ہے لیکن اس سے مراد نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی نہیں ہے۔ اور اگرچہ (شیخ صاحب فرماتے ہیں) یہ انشاء ہے لیکن بمعنی الخبر ہے کیونکہ استفہام ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے۔

تیسری دلیل ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص:4)۔

یہ تینوں دلائل میں مماثلت کی نفی ہو رہی ہے اور یہ تمام جملے جو ہیں خبر یہ جملے ہیں۔

اور طلب کی دلیل جو ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ إلى آخر الآية (البقرۃ:22)، انداد سے مراد "نظراء مماثلين" (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور مثل مت بناؤ (شریک مت ٹھہراؤ))۔

تو یہاں پر کیا ہے؟ ﴿فَلَا تَجْعَلُوا﴾ نہی ہے۔

"وقال" (دوسری آیت میں) ﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ﴾ إلى آخر الآية (النحل:74)، یہاں پر بھی نہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثالیں مت بیان کرو (یعنی کوئی اس کی مثال ہی نہیں ہے)۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ مثلیت بیان کی ہے تو اس نے دو بڑی غلطیاں کی ہیں کہ خبر کی تکذیب بھی کی ہے اور اُمر جو ہے اس کی بھی معصیت کی ہے اس لیے بعض سلف نے یہ تکفیر کی ہے اُن لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مثلیت بیان کرتے ہیں جیسا کہ نعیم بن حماد الخزاعی رحمہ اللہ جو امام بخاری کے شیخ ہیں استاد ہیں وہ فرماتے ہیں "من شبه الله بخلقه، فقد كفر" (جس نے اللہ تعالیٰ کی تشبیہ بیان کی ہے اپنی مخلوق سے تو یقیناً اس نے کفر کیا ہے)۔

((اسے اللالکائی نے شرح السنۃ میں بیان کیا ہے صفحہ نمبر 936 میں، اور امام ذہبی نے العلو میں بیان کیا ہے اس اثر کو نقل کیا ہے صفحہ نمبر 116 میں))۔

کیونکہ وجہ کیا ہے کیوں تکذیب کی ہے؟

کیونکہ اس نے دونوں تکذیب کو جمع کر دیا ہے کہ خبر کی تکذیب کی ہے (دو غلطیاں کی ہیں)۔ وجہ کیا ہے غلط کیا ہے؟ "لأنه جمع بين التكذيب بالخبر وعصيان الطلب" (خبر کی تکذیب کی ہے اور جو طلب ہے جو نہی ہے جس سے منع کیا گیا ہے اس کی فرمانبرداری نہیں کی ہے)۔

یہ دلائل ہیں سمعی دلائل مثلیت کے انہیں یاد کرنا ہے اور یاد کرنا بہت آسان ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ کافی ہے مزید کرنا ہے ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ﴾، ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾، ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾، ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾، یہ سارے دلائل جو ہیں ان میں مثلیت کی نفی ہو رہی ہے۔

دوسری قسم کے دلائل جو ہیں عقلی دلائل ہیں کہ خالق، مخلوق میں مثلیت کا امکان ہی نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

1- سب سے پہلے خالق اور مخلوق میں وجود کے اعتبار سے مماثلت ہو ہی نہیں سکتی، تو سب سے پہلے وجود کا اعتبار دیکھ لیں آپ کیونکہ خالق کا وجود واجب الوجود ہے ہمیشہ۔ اور مخلوق کا وجود کیا ہے؟ ممکن الوجود ہے، پہلے عدم تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے پھر فنا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی ابتداء نہیں ہے کوئی انتہاء نہیں ہے ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ (الحدید: 3) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (کوئی ابتداء نہیں کوئی انتہاء نہیں ہے)۔ تو وجود کے اعتبار سے دیکھ لیں آپ مماثلت ہو ہی نہیں سکتی۔

2- دوسرا اعتبار ہے کہ عظیم تباین ہیں خالق اور مخلوق میں صفات اور افعال میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال دیکھ لیں اور مخلوق کے دیکھ لیں، اس کی مثال شیخ صاحب نے دی ہے سننے کی صفت کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ اب مخلوق کا سننا دیکھیں آپ پہلے عدم تھا اس کا سننا نہیں تھا پھر وجود میں آیا پھر اس نے سننا شروع کیا، پہلے کمزور تھا سنتا نہیں تھا پھر آہستہ آہستہ طاقت ملی پھر بڑھاپے میں آہستہ آہستہ وہ مزید پھر کمزور ہو جاتا ہے پھر کبھی بہرا بھی ہو جاتا ہے سنتا بھی نہیں ہے، یا بیماری لاحق ہو جاتی ہے سننا کم ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا سمع دیکھیں آپ سورۃ المجادلۃ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾(المجادلۃ: 1)۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اسی کمرے (حجرے) کے کونے میں بیٹھی ہوئی تھی جب وہ عورت آئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی شکایت کی اور اپنا مسئلہ بیان کیا اللہ تعالیٰ کو شکایت کرتے ہوئے، فرماتی ہیں کہ میں اسی کمرے کے کونے میں بیٹھی ہوئی تھی مجھے سمجھ نہیں آرہی تھیں بہت ساری باتیں اور ربّ ذوالجلال نے ساتویں آسمان سے عرش معلیٰ سے اوپر سے اس کی باتوں کو سن کر یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

تو کتنا تفاوت ہے تباین ہے اور تباعد ہے خالق اور مخلوق کی صرف اس صفت کو دیکھ لیں آپ۔ تمام صفات کو دیکھ لیں آپ اللہ تعالیٰ کے افعال کو دیکھ لیں مفعول کو اور مخلوق کے افعال کو بھی دیکھ لیں تو یہ جو فرق ہے آپ کو بالکل واضح نظر آ جائے گا تو دونوں میں مثلیت ہو ہی نہیں سکتی، کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے۔

3- تیسرا اعتبار جو ہے اس مثلیت کی نفی کی جو عقلی دلیل ہے ذات کے اعتبار سے دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور مخلوق کی ذات (پہلا تھا وجود، دوسرا صفات اور افعال)۔

تیسرا ہے (میں اسی ترتیب کے ساتھ جا رہا ہوں جو شیخ صاحب نے یہاں پر بیان کی ہے) ذات کے اعتبار سے بھی بہت بڑا تباین ہے اور فرق ہے خالق اور مخلوق میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ آیت الکرسی (البقرۃ: 255)، اور ﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ﴾(الزمر: 67)(تمام زمین اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے)۔ اور مخلوق میں سے کسی کی جرأت نہیں کہ وہ اس طریقے سے کوئی کر سکے ذات کے اعتبار سے بھی۔ تو خالق اپنی ذات اور جو اس ذات کے تابع ہیں صفات اُن میں بالکل الگ ہے اور جو مخلوق ہے وہ بالکل الگ ہے دونوں میں تماثل اور مثلیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

4- چوتھی جو عقلی دلیل ہے یا چوتھا اعتبار جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم مخلوقات کو دیکھتے ہیں مخلوقات کا آپس میں بھی صفات کے اعتبار سے اختلاف ہے شدید تباین اور اختلاف ہے۔ بصر کو دیکھ لیں کیا دو لوگوں کی جو بینائی کی پاور ہے طاقت ہے

برابر ہے؟ نہیں ہے۔اُن لوگوں کے سننے کی طاقت برابر ہے؟ بولنے کا انداز برابر ہے؟اُن کے ہاتھ کو دیکھ لیں (مخلوق کے ہاتھ) انسان کے ہاتھ کو دیکھ لیں کیا دونوں ایک جیسے ہیں لیکن برابر ہیں ایک جیسے ہیں سو فیصد؟ شکل تو ایک ہے ہاتھ کو ہاتھ ہی کہا جاتا ہے۔

یہ ایک اگر ایک جنس کی مخلوق ہوں مختلف اجناس کی مخلوقات ہوں؟ ہاتھی کے ہاتھ کو دیکھ لیں، چیونٹی کے ہاتھ کو دیکھ لیں، شیر کے ہاتھ کو دیکھ لیں، بلی کے ہاتھ کو دیکھ لیں سب کو ہاتھ ہی کہا جاتا ہے نا۔ نہیں؟! اب اُن کو آپس میں کمپیئر (Compare) کر کے دیکھیں ایک جیسے ہیں کیا؟اب صفت ایک ہی ہے معنی بھی ایک ہے کہ ہاتھ کہا جاتا ہے اور مخلوق میں یہ تفاوت اور تباین بالکل واضح موجود ہے تو خالق اور مخلوق میں کیوں نہیں ہو سکتا؟! اس لیے مماثلت تو ناممکن ہے۔اگر مماثلت مخلوق میں نہیں ہے جب کہ ایک ہی صفت ہے تو خالق مخلوق میں کیسے ممکن ہے؟! ناممکن ہے۔اس لیے جو مماثلت کی یا تشبیہ کی بات کرتے ہیں اُن کی اپنی عقل میں خرابی ہے کیونکہ اُن لوگوں نے پہلے یہ سوچا ہے کہ تشبیہ لازم آتی ہے۔

((وہ تشبیہ کا لفظ بیان کرتے ہیں آگے بیان کریں گے کہ تشبیہ کا لفظ بیان کرنا ہے کہ نہیں وجہ کیا ہے اور کیا فرق ہے تمثیل میں اور تشبیہ میں لیکن عام لفظ تشبیہ وہ استعمال کرتے ہیں جو منکرین صفات ہیں))۔

الغرض تو تشبیہ اُن کے دماغ میں جو بیماری ہے اُس بیماری پر انہوں نے دیکھا ہے (اس کے پس منظر میں دیکھا ہے) کہ تشبیہ لازم آتی ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت کرتے ہیں اور اُس تشبیہ سے ڈرنے کی وجہ سے بچنے کے لیے ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟انکار کر دیا ہے (سبحان اللہ)۔

تشبیہ تو میرے بھائی ہے نہیں مثلیت تو ممکن ہی نہیں ہے! کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے مخلوق بھی سنتی ہے تشبیہ تو آگئی! (سبحان اللہ)۔اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے مخلوق کا بھی ہاتھ ہے تو تشبیہ لازم آتی ہے جسم لازم آتا ہے، جگہ لازم آتی ہے، پھر یہ لازم آتا ہے پھر وہ لازم آتا ہے!

اللہ کے بندے جب یہی آیت صحابہ نے سنی یہی آیت جس میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا ذکر ہے اور تمام اسماء وصفات کا ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو سنائی یہ بات ان لوگوں نے کیوں نہیں کی یا آپ

لوگوں سے کم عربی جانتے تھے وہ کیا یا سمجھتے نہیں تھے ؟! یا جو مل گیا بس چپ چاپ کسی آیت کو ایسے ہی مان لیا بغیر سوچے سمجھے ممکن ہے کیا؟! میرے بھائی وہ عربی ہم سے اچھی جانتے تھے اُن ہی زبان پر قرآن نازل ہوا، اگر ان اسماء و صفات میں ذرّہ برابر بھی کوئی خدشہ ہوتا اُن کو تو سب سے پہلے سوال کرتے وہ کہ ممکن کیسے ہے یہاں پر تشبیہ لازم آرہی ہے ؟! کیونکہ تشبیہ لازم آتی ہی نہیں ہے اس لیے انہوں نے سوال ہی نہیں کیا ہے۔

یہ غلط سوچ کب آئی؟ جہم بن صفوان اور اس کے مقلدین جو ہیں جب ان لوگوں نے عقل کو نقل سے آگے کرنے کی کوشش کی اور بہت ہی بڑا کچھ کام کرنا چاہا نصوص کو چھوڑ کر پس پشت ڈال کر تو پھر ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ تاریخ میں مقام عبرت بن گئے سب کے لیے (سبحان اللہ)۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب مخلوق میں یہ تباین موجود ہے تو خالق اور مخلوق میں من باب اولیٰ ہونا چاہیے۔

اور پھر تیسری دلیل شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ فطرت کی دلیل بھی موجود ہے، کیونکہ دلائل تو دو کی بات کی تھی شروع میں سمعی اور عقلی دلائل اور فطری دلیل جو ہے کہ فطرت کے اعتبار سے بھی اگر آپ دیکھیں تو پھر خالق اور مخلوق میں مثلیت ناممکن ہے کیونکہ مخلوق جو ہے وہ اپنی فطرت سے جانتی ہے کہ جس کی وہ عبادت کرتی ہے جس کو وہ پکارتی ہے وہ اُس جیسا ہو ہی نہیں سکتا (اس کی مثل ہوتا تو پھر کیوں اسے پکارتا؟!)۔ کیونکہ انسان فطرت سے کس کو پکارتا ہے ؟اللہ ہی کو پکارتا ہے عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی کرتا ہے (سبحان اللہ)۔

کیونکہ فطرتاً ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے پھر اس کو ماحول جو ہے جیسا ملتا ہے ویسا وہ ہو جاتا ہے، یہودیت کا ماحول ملتا ہے یہودی بن جاتا ہے، نصرانیت کا ماحول ملتا ہے تو نصرانی بن جاتا ہے، مجوسیت کا ملتا ہے تو مجوسی بن جاتا ہے (جیسے حدیث میں آیا ہے)۔ تو اصل بچہ جو پیدا ہو گا اگر اس کو چھوڑ دیا جائے کوئی تعلیم نہ دیں آپ اس کو (بند کمرے میں بچہ پیدا ہو اس کو کھانا پینا دیں اور کچھ نہ کہیں اسے) اس کو دیکھیں کہ اس کا دل کس کے ساتھ جڑتا ہے پکارتا کس کو ہے وہ، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارے وہ! کیوں ؟اپنی فطرت پر ابھی بھی وہ بچہ زندہ ہے اس کی فطرت ابھی بھی زندہ ہے اور اپنی فطرت پر قائم ہے وہ (سبحان اللہ)۔

وجہ کیا ہے؟ کیونکہ فطرت سے بھی انسان جانتا ہے کہ جیسے انسان کے مثل انسان ہے اس کو نہیں پکار سکتا تو دوسری ایسی ذات ہے جسے وہ پکارتا ہے وہ انسان جیسی ہو ہی نہیں سکتی اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوا کہ مثلیت جو ہے اس کی نفی ہو گئی ہے سمعاً و عقلاً و فطرتاً اُن تین دلائل سے۔

پھر کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں، بعض ایسی احادیث ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں جو صحیح احادیث ہیں جن میں ہمیں کوئی اشکال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس میں تمثیل ہے یا نہیں ہے ہم آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

1- پہلی حدیث اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (کہ بے شک تم عنقریب اپنے ربّ کو دیکھو گے جیسا کہ "لَيْلَةَ الْبَدْرِ" یعنی چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو (بے شک عنقریب (صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہیں) تم اپنے ربّ کو ایسے دیکھو گے جیسے کہ چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو) تمہیں دیکھنے کو دقت نہیں ہو گی "لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ"۔

((یہ متفق علیہ حدیث ہے صحیح بخاری، مسلم میں))۔

اور اس میں "كَمَا" جو ہے تشبیہ کے لیے ہے "إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ"۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے اور قاعدہ یہ ہے کہ ہمارا ایمان ہے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں تو اس حدیث پر آپ کیا کہیں گے اس میں تو تشبیہ آ رہی ہے سامنے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں، اس غلط فہمی کا ازالہ یا جواب دو طریقوں سے ہے، ایک اجمالی جواب ہے اور دوسرا تفصیلی جواب ہے۔

((اور میں بھائیوں سے گزارش کرتا ہوں حاضرین اور سامعین سے اگر آپ نوٹ کر لیں یہ جو علمی مسائل ہیں آپ ہمیشہ کامن سینس (Common Sense) تھوڑا استعمال کریں گے یاد کرنے کی کوشش کریں تو بالکل آسان ہیں

ایک دو دفعہ ریپیٹ(Repeat)ہو گا تو اگر آپ تھوڑے سادھیان کے ساتھ سنیں تو ان شاءاللہ آپ کبھی بھولیں گے نہیں))۔

مجمل دلیل ہے اور تفصیلی دلیل ہے مجمل سے مراد کیا ہے؟

یعنی اس حدیث کے ذکر کے علاوہ جواب ہے جو اس جیسی ہر حدیث کے لیے اور ہر اس مسئلے کے لیے ہے جس میں یہ تشبیہ یا مماثلت کا کوئی شبہ ہوا گر آپ یہ جواب دے دیں تو اجمالی جواب ہو جائے گا اس مسئلے کے تعلق سے تمام جو بھی غلط فہمیاں ہیں سب دور کرنے کے لیے اسے کہتے ہیں اجمالی جواب۔ اسی حدیث کے تعلق سے تفصیلی جواب ہے ہمیشہ یاد رکھیں۔ جب اجمالی ہوتا ہے جو جنرل(General)ہوتا ہے، تفصیلی ہے تو اسپیسیفک(Specific)اسی چیز کے لیے ہوتا ہے۔

دوسری بات اب اجمالی جواب کیا ہے سنیں شیخ صاحب فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان میں کبھی بھی تعارض ہو ہی نہیں سکتا ناممکن ہے۔

اجمالی جواب میں کیا ہے کیونکہ یہاں پر کیا ہو رہا ہے؟ ایک طرف سے تو ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ نفی ہو رہی ہے، اور حدیث میں ''كَمَا تَرَوْنَ'' تشبیہ ہو رہی ہے تو سب سے پہلے قاعدہ کیا ہے جنرل(General)؟ کہ کنٹراڈکشن (Contradiction)ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ دونوں وحی ہیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا پاک کلام وحی ہے اور حدیث بھی وحی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾(النجم:3-4)واضح ہے کیونکہ دونوں حق ہیں(قرآن بھی حق ہے صحیح حدیث بھی حق ہے) اور حق میں کبھی تعارض ہو نہیں سکتا قاعدہ یہ ہے۔

اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء:82)(اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں اختلاف کثیر آپ کو ضرور نظر آجاتا(اس میں اختلاف کثیر ہوتا))۔ اور اگر کبھی بھی کسی کو کوئی گمان ہو جائے کوئی شبہ وہ جائے کہ بعض نصوص میں کوئی تعارض

لگتا ہے کسی کو تو یہ چار چیزیں یاد رکھ لیں (کیونکہ اصل مسئلہ نصوص میں نہیں ہے وہ تو حق ہیں حق میں تعارض ہوتا نہیں ہے مسئلہ کس میں ہے؟ جس کے اندر یہ شبہ پیدا ہو رہا ہے (ہمارے اندر ہے)):

1-سب سے پہلے "إما لقلة العلم" (علم کی کمی کی وجہ سے تعارض نظر آرہا ہے)۔

2-دوسرا ہے "وإما لقصور الفهم" (علم تو ہے لیکن سمجھنے میں خلل ہے)۔

((پہلا کیا ہے؟ علم کی نفی ہے علم نہیں ہے، تو جہالت میں انسان کو تعارض نظر آئے گا اور کیا ہے کم علمی کی وجہ سے "لقلة العلم"۔ دوسرا علم تو ہے لیکن سمجھ میں خلل ہے سمجھ کی کمی ہے))۔

3-"وإما للتقصير في البحث والتدبر" (مزید اس کی جستجو میں لگ کر مزید دلائل اکٹھے کرنے میں کوئی کمی بیشی ہو گئی ہے)۔

بحث اور تدبر میں اس میں غور و فکر کرنے میں کوئی کمی ہو گئی ہے تقصیر ہوا ہے اور اگر آپ اس میں اچھے طریقے سے ان دلائل کو اکٹھا کرتے اور ان کو ایک دوسرے کے سامنے رکھ دیتے تو ان شاءاللہ یہ اشکال اور ابہام دور ہو جاتا۔

4-اور چوتھا ہے اگر یہ تمام چیزیں موجود ہوں تب بھی نہیں کوئی مانتا "وإما لسوء القصد والنية" (تب تو پھر نیت میں خلل اور گڑبڑ ہے اُس کی)۔

اُس کی نیت میں خرابی ہے کیونکہ ان نصوص کو جمع بھی کر لیا ہے سمجھ بھی آ گیا ہے ظاہر میں تعارض صرف آپ کو نظر آ رہا ہے جو حقیقتاً ہے ہی نہیں اور آپ ماننے کے لیے تیار بھی نہیں ہیں تو پھر کیا بچتا ہے؟۔ جب ہم کہتے ہیں کہ علم بھی ہو گیا ہے سمجھ بھی آ گئی ہے اور جمع بھی کر لیے ہیں سارے نصوص پھر بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہتے ہیں "نہیں تعارض لازم آتا ہے" کیا بچتا ہے؟ پھر اپنی نیت کو دیکھیں بھئی اللہ کے لیے اور اُس کا جا کر علاج کروائیں۔ تو نیت میں خلل لازم آ جاتا ہے کیونکہ دو چیزیں ہیں کہ یا تو آپ کی نیت درست ہے اور نصوص میں تعارض ہے جو کہ ناممکن ہے تو دوسری بات کیا ہے؟ آپ کی نیت میں کھوٹ ہے (سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، پھر دوسرا جواب جو اجمالی جواب ہے جس سے متفرع ہے آگے کہ آیات جو ہیں وہ دو قسم کے ہیں نصوص (اس میں حدیث بھی ہے جب آیت ہے قرآن کی تو حدیث بھی اس میں من باب اولیٰ شامل ہے) کہ متشابہ

اور محکم (محکم ہے پہلے پھر متشابہ ہے)۔اور ہمیشہ قاعدہ کیا ہے؟ کہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کی دلیل سورۃ آل عمران آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ (اُس نے ہی آپ پر اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب نازل فرمائی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی ہے قرآن مجید اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر)) ﴿مِنْهُ﴾ (اسی قرآن مجید میں سے) ﴿اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ (آیات محکمات ہیں (پرفیکٹ (Perfect) آیات ہیں محکم ہر اعتبار سے ہیں)) ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ (وہ اصل آیات ہیں کتاب کی)۔اور اُمّ اسے کہتے ہیں جس کی طرف لوٹایا جاتا ہے ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ (القارعۃ:9) جیسے سورۃ القارعۃ میں آیا ہے لوٹائے جائیں گے جہنم کی طرف (نعوذ باللہ)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ (دوسری قسم کی آیات متشابہ آیات ہیں)۔اور متشابہ سے مراد یہ ہے کہ دوسرے نصوص کی ضرورت پڑ جاتی ہے سمجھنے کے لیے، اگر آپ اکیلا دیکھتے ہیں تو ان میں آپ کو کچھ کمی بیشی نظر آتی ہے سمجھنے میں اُس کا معنی مکمل آپ کو سمجھ نہیں آتا پھر تعارض کا شک پڑ جاتا ہے شبہ پڑ جاتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے اس لیے جب آپ مزید سمجھ کر دوسری آیت کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں جو محکم آیات ہیں تو اشکال ابہام دور ہو جاتا ہے۔ محکم کو سمجھنے کی بالکل واضح آیات ہیں اُم الکتاب ہیں ان کو سمجھنے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں پڑے گی آپ کو، متشابہ آیات وہ آیات ہیں جن کو سمجھنے کے لیے اور آیات کا سہارا لینا پڑے گا دیکھنا پڑے گا تاکہ معاملہ جو ہے آسان ہو جائے اور سمجھنا بھی آسان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ (وہ جن کے دلوں میں کوئی کجی یا ٹیڑھا پن ہے دل میں کوئی خرابی ہے بیماری ہے)۔کیا کرتے ہیں؟ ﴿فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ ((کس کی اتباع کرتے ہیں اور کن آیات کی جب کہ دونوں آیات ہیں دونوں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہیں) متشابہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور متشابہ آیات کو لے لیتے ہیں)۔کیوں؟ ﴿ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ (فتنہ چاہتے ہیں اصل میں اور اپنی مرضی سے اُن کا

معنی تاویل کر کے بنانا چاہتے ہیں)﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ﴾(اور جو اصل معنی اور تفسیر ہے (تاویل معنی تفسیر بھی ہے)وہ تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾((یہ تو تھے پہلی قسم کے کون لوگ تھے جو متشابہ کے پیچھے لگتے ہیں؟ جن کے دلوں میں کوئی بیماری ہے) دوسری قسم کے لوگ جو ہیں ﴿الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ جو علم میں ثابت قدم ہیں)۔ان کا طریقہ کیا ہے؟﴿يَقُولُونَ﴾(کہتے ہیں) ﴿آمَنَّا بِهِ﴾(ہمارا ایمان ہے ان تمام آیات پر (متشابہ پر بھی ایمان ہے محکم پر بھی ایمان ہے))﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾(تمام ہمارے ربّ کی طرف سے ہے (فرق کیا ہے! سبحان اللہ))إلى آخر الآية (آل عمران:7)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں"ويحملون المتشابه على المحكم"(شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں"الراسخون في العلم" کا طریقہ کیا ہے؟ کہ متشابہ کو لوٹا دیتے ہیں محکم کی طرف)"حتى يبقى النص كله محكماً" (تاکہ تمام نص محکم باقی رہ جائیں)۔

یہ ہے اجمالی جواب واضح ہے اجمالی جواب؟ ان میں تعارض نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں وحی ہیں اور وحی میں تعارض کبھی ہو نہیں سکتا۔اگر کسی کو یعنی وہ کون سی وجوہات ہیں جن میں تعارض نظر آتا ہے؟(۱) قلت العلم ہے۔(۲) قلت الفہم ہے۔(۳) تیسرا تقصیر البحث میں تدبر میں۔(۴) چوتھا ہے"سوء القصد والنية"۔

اور پھر دوسرا اجمالی جواب کیا ہے؟ کہ قرآن مجید کی (اور نصوص جو ہیں احادیث بھی) دو قسم کی آیات ہیں محکم ہیں متشابہ ہیں، جو محکم ہیں وہ اصل آیات ہیں اور اصل نصوص ہیں جن کا معنی بالکل واضح اور ظاہر ہے جن کو سمجھنے کے لیے مزید کسی اور نص کی ضرورت نہیں ہوتی۔ متشابہ وہ ہیں جن کو سمجھنے کے لیے اور نصوص کی ضرورت پڑتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یہی حکمت ہے کہ اس لیے ان کو بیان کیا متشابہ کو تاکہ لوٹایا جائے محکم کی طرف وہ آزمائش ہیں۔

یہاں پر دو قسم کے لوگ سامنے آجاتے ہیں:

1-وہ جو اس کا حق ادا کرتے ہیں متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا کر تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے)۔

2-اور جن کے دلوں میں بیماری ہے "سوء القصد والنية" تمام چیزیں جو موجود ہیں اور صرف اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اپنی مرضی کرنا چاہتے ہیں فتنہ چاہتے ہیں تو ان کا کیا طریقہ ہے؟ وہ محکم کو چھوڑ کر متشابہ کو پکڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بھی دلیل ہے۔

تو یہ سب سے پہلے جواب کیا ہے؟ اجمالی جواب۔

سوال: محکم آیات صرف قرآن مجید میں یا احادیث میں بھی؟

جواب: احادیث میں بھی محکم ہیں اور متشابہ ہیں دونوں لیکن یہاں پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ کئی احادیث ایسی ہیں جن کو آپ کو دوسری حدیث کی طرف واپس لوٹانا پڑتا ہے سمجھنے کے لیے۔

سوال: جیسے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ (طہ:5) محکم آیت ہے؟

جواب: بالکل محکم آیت ہے۔ یعنی محکم آیت کی مثال ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ یہ محکم ہے۔ اور اس موضوع میں متشابہ کیا ہے؟ ﴿وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ﴾ (الحدید:4)۔ اِن لوگوں نے کیا لیا ہے؟ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ کہاں سے؟ ﴿وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ﴾۔ حبل الورید والی آیت جو ہے ﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ﴾ (ق:16) یہ متشابہ آیت میں سے ہے۔

تو کیا کرنا ہے تاکہ تمام پر عمل ہو جائے لوٹا دینا ہے کس پر؟ جو محکم آیت ہے "اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے"۔ اور جب ذات اور صفات کی بات کرتے ہیں تب ہم اُن کو سمجھانے کے لیے کہتے ہیں کہ ذات عرش پر مستوی ہے اور اللہ تعالیٰ علم سے اپنی مدد سے اپنی اعانت سے ہر جگہ موجود ہے لیکن اپنی ذات سے ہر جگہ موجود نہیں ہے جیسے کہ وہ کہتے ہیں اور ان آیات کو آگے لے کر جاتے ہیں اور اُس کو چھوڑ دیتے ہیں جو اصل محکم ہے تو یہ غلط ہے۔

رہی احادیث کی بات جب آیات میں موجود ہے تو احادیث میں کیوں نہیں ہو سکتا؟! اور اس کی بھی کئی مثالیں ہیں کبھی ان شاء اللہ اس پر بات کریں گے۔

تفصیلی جواب ذرا غور کریں:

تفصلی جواب جو ہے اس حدیث کے تعلق سے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عنقریب (اور صحابہ سے مخاطب ہیں) اپنے ربّ کا دیدار کروگے اور دیکھوگے جیسے تم چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو (دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی) تو سب سے پہلا جواب ہے جو تفصیلی جواب ہے: اس حدیث میں جو تشبیہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی چاند سے نہیں ہے۔ ایک ہے مرئی، ایک ہے رؤیۃ۔

ایک انسان جب دیکھتا ہے تین چیزیں ہیں (۱) ایک ہے دیکھنے والا۔ (۲) ایک جسے دیکھا جارہا ہے۔ (۳) تیسرا دیکھنا جو اصل فعل ہے۔ یہی تین چیزیں ہیں نا؟

اب حدیث میں کیا ہے دیکھنے والے کے تشابہ کی بات ہورہی ہے؟ نہیں۔ جسے دیکھا جارہا ہے اس کی؟ یا دیکھنے کی جو اصل فعل ہے دیکھنا الرؤیۃ جو ہے؟ ''سَتَرَوْنَ ... كَمَا تَرَوْنَ'' عنقریب دیکھوگے جیسا کہ تم دیکھتے ہو یہ بات ہے نا؟ اگر یہ کہتے ہیں کہ نہیں مطلب یہ ہے کہ مرئی ہے تو بات ہی ختم ہے غلط ہے پھر! یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ چاند جیسا ہے؟! یہ تو ہے ہی نہیں اس حدیث میں اور نہ ہی دور تک بھی کوئی معنی اس میں آتا ہے کیونکہ لفظ کیا ہے؟ ''سَتَرَوْنَ ... كَمَا تَرَوْنَ'' رؤیۃ کی بات ہورہی ہے مرئی جسے دیکھا جائے اس کی بات نہیں ہورہی، تو اس حدیث میں یہ معنی موجود ہی نہیں ہے۔

اور اس کی دلیل کیا ہے؟ اگلا لفظ جو ہے۔ اگلا جملہ کیا ہے؟ ''لاَ تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ'' (تمہیں دیکھنے میں دقت نہیں ہوگی)۔ تو بات دیکھنے کی ہورہی ہے نا کہ جسے دیکھا جارہا ہے اُس کی بات ہی نہیں ہے، تو یہ تفصیلی جواب ہے۔

دوسری حدیث شیخ صاحب فرماتے ہیں جس میں اشکال لوگ پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''إن الله خلقَ آدمَ عَلَى صُورَتِهِ'' (بے شک اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا ہے اپنی صورت پر)۔

((اور یہ بھی متفق علیہ حدیث ہے صحیح بخاری، مسلم میں یہ حدیث موجود ہے صحیح حدیث ہے یہ))۔

اور صورت کا مطلب ہے اسے کہتے ہیں جو دوسرے کی مثل ہو ملتی جلتی ہو اور ہماری عقل میں تو یہی بات آسکتی ہے نا کیونکہ جب آپ کوئی لیٹر (Letter) لکھتے ہیں اسے فوٹو کاپی کرتے ہیں تو کاپی اور اصل میں کوئی فرق نظر نہیں آتا آپ کو ہم کہتے ہیں صورۃ الاصل (ایسے ہی کہتے ہیں نا کہ اصل کی یہ تصویر اور صورت ہے)۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیں ''أعلم وأصدق وأنصح وأفصح الخلق'' (سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ سچے ہیں، سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے سب سے زیادہ فصاحت والے اور بلاغت والے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اُن کا فرمان ہے)۔

اس کا جواب کیا ہے؟

پہلے تو مجمل جواب ہے اجمالی جواب اس میں کیا اجمالی جواب ہے؟ دونوں وحی ہیں وہی بات ہے۔ جس ربّ نے فرمایا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ اسی ربّ کے رسول نے فرمایا ہے ''إن الله خلق آدمَ عَلَى صُورَتِهِ''۔ دنوں وحی ہیں اور اس میں تعارض ممکن نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے دونوں حق ہیں اور حق ہمیشہ حق ہوتا ہے جس میں جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا حق **لا یکذب بعضه بعضا** سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ورنہ حق کہاں ہے پھر؟! یا حق ہے یا باطل ہے دو چیزیں ہیں، حق ہے تو جھوٹ کا امکان ہی نہیں کسی صورت میں یہ کیسا حق ہے جو ایک کو لیتا ہے دوسرے کو جھٹلانا پڑے گا؟! جب حق کہا ہے تو پھر دونوں صحیح ہیں۔

اور ہم یہ کہتے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾، اگر آپ کو سمجھ میں آجائے تو ٹھیک ہے جمع کرنا دونوں میں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر اور راستہ کیا ہے؟ آپ سمجھنے سے قاصر ہیں جمع نہیں کر سکتے آپ تو پھر آپ کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے آپ نے یہ کہنا ہے ﴿اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ آل عمران آیت نمبر 7 میں۔ اور ہمارا عقیدہ یہ ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے اور ہم اپنا سر جھکا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے سامنے۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ جس رسول نے (علیہ الصلاۃ والسلام) یہ فرمایا ہے کہ ’’إن الله خلق آدمَ عَلَى صُورَتِهِ‘‘ وہ اسی ربّ کا رسول ہے جس نے یہ فرمایا ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾، اور قاعدہ یہ ہے کہ رسول کبھی بھی ایسی بات نہیں کرتا جس میں مرسل یعنی جس نے بھیجا ہے مبعوث فرمایا ہے اس کی تکذیب ہو۔

دوسری بات یہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور مثال دی ہے متفق علیہ حدیث میں (صحیح بخاری، مسلم میں) کہ سب سے پہلے لوگ جو جنت میں داخل ہوں گے ان کی صورت جو ہے چاند جیسی ہوگی ’’إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ تَدخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ‘‘، یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ جو جنتی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے یہ چاند جیسے ہوں گے ہر اعتبار سے یا کسی قدر چاند سے مشابہت ہے ؟ اُن کے چہرے کی خوبصورتی میں گول چہرے ہوں گے چمکتے دمکتے چہرے ہوں گے پہلا یا دوسرا؟

اگر آپ پہلا معنی لیتے ہیں تو مطلب پتھر جنت میں داخل ہوئے جو نا ممکن ہے معنی ہی نہیں ہے، اگر دوسرا معنی لیتے ہیں تو پھر اشکال اور ابہام دور ہو گیا کہ جب آپ تشبیہ کی بات کرتے ہیں تو ہر اعتبار سے تشبیہ مراد ہی نہیں ہوتی کسی صورت میں بھی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں ’’خلقَ آدمَ عَلَى صُورَتِهِ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو اضافہ ہے ’’صُورَتِهِ‘‘ میں اضافہ تشریف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ (ص:72) ((سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے) اپنی روح سے میں نے پیدا کیا) مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ کی جو روح تھی اس میں سے روح نکال کر سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ڈال دی۔ نہیں! بلکہ ﴿مِنْ رُّوْحِيْ﴾ سے کیا مراد ہے ؟ وہ روح جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے اور اپنی طرف نسبت اس لیے کی ہے کیونکہ اس روح کا شرف ہے، ورنہ روح تو روح ہے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات صفات سے اس روح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِيْ﴾ سے مراد کیا ہے؟ کہ یہ اضافہ تشریف نسبت ہے تشریف اور بلند درجہ بیان کرنا اس کا اصل مقصد یہ ہے (اور عربی زبان میں یہ کہا جاتا ہے)۔

اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جب دو ذاتیں الگ ہوں اور ان میں نسبت کی جائے تب یہ تشریف کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ "بیت اللہ" (اللہ کا گھر) دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اللہ کی ذات اور اللہ کا گھر دو الگ چیزیں ہیں لیکن نسبت کس لیے ہوئی؟ "الناقۃ اللہ" (اللہ تعالیٰ کی اونٹنی) تو اونٹنی مخلوق ہے نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو یہ شرف والی اونٹنی ہے عام اونٹنی نہیں ہے، یہ گھر شرف والا گھر ہے عام گھر نہیں ہے۔

اس لیے ﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِيْ﴾ و "آدمَ عَلَى صُورَتِهِ" اگر آپ نسبت دیکھیں نا جو اضافہ ہے جو نسبت ہے اس میں کوئی فرق نظر آرہا ہے؟ ایک ہی چیز ہے۔

لیکن ﴿يَدُ اللّٰهِ﴾ (الفتح:10)، ﴿وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:115) یہ بھی تو اضافہ ہے یہ کیا ہے؟ یہ صفت ہے اللہ تعالیٰ کی کیونکہ ایک ہی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور اللہ تعالیٰ کا چہرہ یہ صفات کیا ہیں؟ یہ اضافت ہے لیکن إضافة الصفة الموصوف کی اضافت ہے لیکن جب الگ ذات کی بات ہو رہی ہے جو قائم بذاتہ جو الگ ہے کیونکہ چہرہ الگ سے ہو نہیں سکتا، ہاتھ الگ سے ہو نہیں سکتا کیا کبھی دیکھا ہے ہاتھ قائم بذاتہ ہے؟ نہیں ہے۔ لیکن مخلوق تو ہے، اللہ کا گھر بھی ہے، اللہ کی اونٹنی بھی ہے، سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام بھی ہے۔

اور سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے بھی یہ فرمایا ہے کہ "کلمۃ من اللہ" اللہ کا کلمہ ہے۔ یہ سارے کیا ہیں؟ اضافت شرف بیان کرنے کے لیے ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی اگر اسماء و صفات کے تعلق سے (صفات کے تعلق سے) ہو تو یہ اس سے صفت مراد ہوتا ہے۔

اور اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ إلى آخر الآية (الاعراف:11)۔ تصویر جس کی بنائی وہ سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، تصویر

بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور یہ صورت جو ہے "أحسن صورة في المخلوقات" ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین: 4) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

تو یہ اضافت جو ہے نسبت جو ہے تشریف کے لیے ہے کہ خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی صورت پیدا کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے تو یہ بھی ایک تشریف تھی سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی۔

اور اس لیے یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ چہرے کو نہیں مارنا (چہرے پر مارنا نہیں ہے جیسے حدیث میں آیا ہے)۔ اسی حدیث کے سیاق میں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے اسی حدیث کے سیاق میں چہرے کو مارنے سے بھی منع فرمایا ہے (سبحان اللہ)۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ اگر بات کرنی ہے جواب میں تو پہلا جواب یا دوسرا جواب (دوسرا جواب یہ ہے جو تشریف اضافے کی بات ہو رہی ہے یہ ہے)۔ اور پہلا جواب جو ہے وہ کیا تھا؟ کہ تعارض نہیں ہو سکتا اور اس سے مراد جو ہے تفصیلی جواب میں جیسا کہ چاند کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے چہرے چاند جیسے ہوں گے تو تشبیہ لازم نہیں آتی ہر اعتبار سے۔ کوئی قدر مشترک ہے لیکن مکمل طریقے سے تشبیہ ہو یہ ممکن نہیں ہے۔

اور اس اعتبار سے "عَلَى صُورَتِهِ" سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہی صورت ہے یا اللہ تعالیٰ کی یعنی انسان جیسی صورت ہے (نعوذ باللہ) یہ مطلب ہر گز نہیں ہے لیکن مطلب اس سے کیا مراد ہے؟ تشریف ہے اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں تو انسان کا چہرہ بھی ہے دو آنکھیں ہیں تو یہ قدر مشترک ہے صرف اس اعتبار سے، یہ نہیں کہ ہر اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔

خالق کا مخلوق کا اضافہ جب بھی ہو گا تو تشریف کا ہو گا یہ قاعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا اللہ تعالیٰ کی طرف اضافہ ہو تو پھر وہ صفت ہے اس کا معنی یہ ہے۔

اب آخر میں شیخ صاحب فرماتے ہیں تو وہ صورت کیا ہے جو سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اللہ تعالیٰ کی بھی ہے؟ تو اس لیے شیخ صاحب نے فرمایا ہے آخر میں، تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے آنکھ ہے ہاتھ ہے اور ساق بھی ہے جیسے حدیث میں آیا ہے لیکن اس سے لازم نہیں ہے کہ ان تمام چیزوں میں مماثلت ہو انسان کی کیونکہ ان میں کچھ قدر ہے مشابہت کی کسی قدر کے جیسے وجود میں اللہ تعالیٰ موجود ہے مخلوق بھی موجود ہے لیکن ایک جیسے تو نہیں ہیں، یہ قدر مشترک تو لازم ہوتی ہے۔

وجود کا اعتبار دیکھیں اللہ موجود ہے کہ نہیں مخلوق موجود ہے کہ نہیں؟ تشبیہ لازم آگئی ہے؟ تو اگر آپ کہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہو نہیں سکتا تو پھر ایک کی نفی تو کرنی پڑے گی جو ناممکن ہے محال ہے!

اور اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں قاعدہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی جو ہیں مخلوق کی صفات سے مماثلت نہیں کرتیں اور ہمارا اُن تمام صفات پر ایمان ہے " من غیر تحریف ولا تعطیل، من غیر تحریف تکییف ولا تمثیل"۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ تشبیہ اور تمثیل دو مختلف لفظ ہم سنتے ہیں زیادہ بہتر کون سا لفظ ہے بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے تمثیل یا تشبیہ؟ تمثیل کیونکہ تمثیل کا لفظ ہے مثلیت کی نفی ہے۔ من غیر تشبیہ نہیں کہتے ہم من غیر تمثیل کیوں کہتے ہیں وجہ کیا ہے؟ اور یہ بہتر کیوں ہے من غیر تمثیل؟

1-سب سے پہلی وجہ کہ قرآن مجید میں بھی جو ذکر ہوا ہے نفی تمثیل کی ہے نا کہ تشبیہ کی نفی ہے۔﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾، " لیس کمثلہ شبیہ" نہیں ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ ہے۔ تو نفی کس چیز کی کی گئی ہے؟ مثلیت کی۔ تو قرآن مجید میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ بھی یہی معنی ہے (نِد کہتے ہیں جو مثلیت رکھتا ہو)۔

تو دونوں دلائل میں یعنی ایک تو مثل کے لفظ سے ہے دوسرا نِد کے لفظ سے ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ تو نفی جو ہے وہ قرآن مجید میں اس لفظ کی کی گئی ہے۔

2-دوسری وجہ، اگر تشبیہ کی نفی کی جائے تو وہ لوگ جو اہل سنت کو مشبہۃ کہتے ہیں وہ یہ سمجھ لیں گے کہ جب نفی ہو رہی ہے تشبیہ کی تو پھر جو اہل سنت ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نفی کرنے والے ہیں۔

جب تشبیہ نہیں ہے "من غیر تشبیہ" وہ ہمیں مشبہۃ کہتے ہیں جب ہم بھی کہیں گے "من غیر تشبیہ" تو وہ یہ اعتراض کریں گے کہ یہ خود اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کرنے والے ہیں اور عوام الناس کنفیوژ (Confuse) ہو جائیں گے پھر۔ تو اس لیے لفظ جو ہے تمثیل ہونا چاہیے تشبیہ نہیں ہونا چاہیے۔

3-تیسری وجہ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ تشبیہ کی مطلقاً نفی کرنا صحیح نہیں ہے غلط ہے (یہ غور سے سنیں اہم بات ہے)۔ تشبیہ کی مطلقاً ہر اعتبار سے نفی کرنا غلط ہے صحیح نہیں ہے وہ کیوں؟ کیونکہ کوئی بھی دو چیزیں اٹھا کر دیکھ لیں اُن میں کوئی نہ کوئی قدریں (مشابہت) موجود ہوں گی کوئی چیز دیکھ لیں آپ۔ بعض چیزوں میں کم سے کم کسی ایک چیز میں تو قدر مشترک ہو گی اُن کی تشبیہ کے اعتبار سے، اور اگر ہر اعتبار سے تشبیہ مطلقاً آپ نفی کر دیں تو خالق اور مخلوق میں کوئی چیز قدر مشترک ہو گی بھی نہیں وجود بھی نہیں ہو گا پھر سب نفی ہو جائے گا اور یہ ممکن نہیں ہے۔

یعنی مثال کے طور پر وجود کو دیکھیں لیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اس کی اصل میں خالق مخلوق دونوں شامل ہیں قدر مشترک دونوں میں ہے تشابہ صرف اس اعتبار سے ہے وجود کے لفظ میں کہ دونوں موجود ہیں ورنہ اگر دیکھیں حقیقت میں تو فرق ہے خالق کا وجود واجب ہے، مخلوق کا وجود ممکن ہے (یعنی خالق ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اور جو مخلوق ہے پہلے عدم تھی پھر وجود میں آئی پھر فنا ہو جائے گی)۔

اور اس سمع کو بھی دیکھ لیں جو سننے کی صفت ہے اور جو تمام صفات کو بھی دیکھ لیں تو یہ آپ کو کہیں پر قدر مشترک کوئی جزء آپ کو نظر آئے گا لیکن ہر اعتبار سے ممکن نہیں ہے۔ ہر اعتبار سے دیکھیں تو مثلیت لازم آتی ہے، قدر مشترک کسی چیز کو لیتے ہیں تو تشبیہ کا لفظ آتا ہے لیکن نفی تشبیہ کی نہیں ہے نفی جو ہے تمثیل کی ہے۔

بعض علماء تشبیہ کے لفظ سے نفی کرتے ہیں "من غیر تشبیہ" بھی کہتے ہیں مطلب کیا ہوتا ہے ان کا؟ من غیر تمثیل ہوتا ہے۔ لیکن اگر دونوں کو سامنے رکھا جائے تو بہتر کون سا لفظ استعمال کرنا ہے؟ "من غیر تمثیل"۔

وجہ کیا ہے:

۱-قرآن مجید میں اسی کا ذکر ہے۔

۲-کہ لوگ جو ہیں جو اہل سنت والجماعت کے مخالفین ہیں ان کو مشبہۃ کہتے ہیں کہ وہ "من غیر تشبیه" کہیں گے تو عوام الناس میں اشکال ابہام پیدا ہو جائے گا کہ یہ کیسے ہیں جو خود اقرار بھی کرتے ہیں انکار بھی خود کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا؟!

۳-اور تیسرا جو ہے کہ قدر مشترک دو چیزوں میں لازم موجود ہوتی ہے اور خالق مخلوق میں وجود کے اعتبار سے قدر مشترک موجود ہے۔ ''السمع''(سننا)،اب سننے کا معنی تو معروف ہے یہ قدر تو مشترک موجود ہے خالق اور مخلوق میں لیکن اصل جو سننے کی تفصیل ہے کہ کیسے سنتا ہے اور کیفیت ہے حقیقت یہ تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کیا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اور اصل جو صفت ہے سمع کی وہ تو قدر مشترک موجود ہے (واضح ہے نا!)۔

اور بعض علماء ایک عقلی دلیل بھی دیتے ہیں کہتے ہیں دیکھیں اب سفید رنگ دیکھ لیں آپ، دیوار سفید ہے، یہ رنگ سفید ہے وہ رنگ بھی سفید ہے ایک جیسے ہیں کیا؟ قدر مشترک ایک ہے سب رنگ ایک ہی ہے تفاوت کتنا ہے اس میں؟! زمین و آسمان کا تفاوت ہے یعنی ایک چیز کو بھی دیکھ لیں آپ اس میں قدر مشترک اگر تھوڑی سی بھی ہے تو نام وہی ہے اس کا نام تبدیل نہیں ہو گا جب تک وہ چیز اس میں موجود ہے لیکن جب اس کی حقیقت بدل جائے گی کوئی اور اس میں رنگ شامل ہو جائے گا پھر وہ رنگ ہی الگ ہو جائے گا اس کا لیکن ایک ہی چیز میں قدر، تفاوت، تشبیہ موجود ہوتی ہے۔

الغرض، پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں تشبیہ اور تمثیل کے تعلق سے، تو تشبیہ کا لفظ جو ہے اس سے بہتر ہے تمثیل کا لفظ استعمال کرنا ہے۔

اور آخر میں پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں تکییف اور تمثیل میں فرق کیا ہے؟ یاد رکھیں یعنی دو فرق ہیں اس میں:

۱-سب سے پہلا فرق ہے کہ تمثیل جب ہم بات کرتے ہیں کہ ہم کسی صفت کی مثلیت بیان کرتے ہوئے اس کو بیان کرتے ہیں۔

یعنی فلان کا ہاتھ فلان کے ہاتھ جیسا ہے تو اس میں دو چیزوں کا ہونا لازم ہے لیکن تکییف میں جو ہے یہ قید نہیں ہوتی صرف آپ ہیئت اس کی بیان کرتے ہیں کیفیت بیان کرتے ہیں۔ ہاتھ کیسا ہے کمپیریزن(Comparison)

نہیں ہوتا اس میں ایک ہاتھ ہے اس کی آپ ڈسکرپشن (Description) بیان کرتے ہیں کیفیت بیان کرتے ہیں کہ ایسا ایسا ہاتھ ہے۔ مثلیت میں دونوں کو سامنے رکھ کر آپ کمپیئر (Compare) کرتے ہیں۔

۲-اور دوسری بات یہ ہے دوسرا فرق جو ہے کہ کیفیت جو ہے صرف ہیئت اور صفت میں ہوتی ہے لیکن جو مثلیت ہے صفت عدد میں بھی ہوتی ہے (نمبر میں بھی)۔ یہ نمبر اتنے نمبر کا ہے، یہ بھی تین نمبر کا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ (الطلاق:12)، تو تشبیہ اس میں مثلیت جو ہے عدد میں بھی آگئی ہے کہ سات آسمان اور سات زمینیں ہیں اس اعتبار سے۔

لیکن کیفیت میں عدد ممکن ہے؟ نہیں ہے۔ کیفیت میں آپ دو کمپیئر (Compare) نہیں کرتے ایک کی بات کرتے ہیں اور اس کی ہیئت اور صفت بیان کر دیتے ہیں۔

مثلیت میں ہیئت بھی ہے اور صفت بھی ہے اس کی اور اس کے ساتھ ساتھ عدد بھی ہے تو مثلیت میں یعنی معنی جو ہے اس کیفیت سے زیادہ ہے۔

تو آج کے درس میں اتنا کافی ہے اور مثلیت کے تعلق سے ہم نے الحمد للہ مکمل بات کر لی ہے اور اگلے درس میں ان شاء اللہ مزید اس تعلق سے جو دلیل ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اس پر ہم بات کریں گے (واللہ أعلم)۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (15. العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔